

دینی جدوجہد کا اصل محور

جناب سید محمد صمیم پاشا صاحب

(۳)

ایک اور بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ بعض لوگ دعوت و تبلیغ کی بنیاد اس کو بناتے ہیں کہ دین کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی پہلو عوام پر واضح کیے جائیں۔ ذہنوں میں جو ابہام ان کی طرف سے پیدا ہو گیا ہے اسے دور کیا جائے اور حکومت وقت کو بھی مجبور کیا جائے کہ وہ ان اسلامی قوانین کو ملک کے دستور کی حیثیت سے نافذ کرے، ورنہ ایسی حکومت کے قیام کی از خود سعی کی جائے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ ساری خرابیاں اسی لیے پزیر رہی ہیں کہ اسلامی حکومت موجود نہیں ہے۔ اور ایک مرتبہ اگر ”صحیح معنوں میں اسلامی حکومت“ قائم ہو گئی اور اسلام کا عدالتی نظام جاری ہو گیا تو وہ حکومت کی مدد اور عدالت کے فیصلوں کے ذریعہ ان ساری خرافات کو ”ایک ایک کر کے“ ختم کرتے چلے جائیں گے۔

بلاشبہ یہ درست ہے کہ اسلام کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی بلکہ دیگر نوعیت کے بھی تمام احکامات کے نفاذ کی جدوجہد کہ فی ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر زمین اللہ کی ہے تو اس پر قانون بھی اللہ ہی کا چلنا چاہیے، اور مخلوق پر اس کے خالق ہی کا حکم نافذ اور واجب العمل ہونا سق ہے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاٰمْرُ۔ یہ بات بھی شک و شبہ سے بالترتیب ہے کہ اگر کوئی کلمہ گو کسی اسلامی قانون کو اپنے مفاد کے خلاف سمجھ کر کہیں اور

سے اپنا مقدم فیصلہ کرائے تو یہ بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے اور قرآن مجید میں اسی کو تخاکم الی الطاغوت بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی صاف عیاں ہے کہ قرآن سنت میں صرف نماز، روزے، حج یا ذکر و تلاوت ہی کے لیے احکامات نہیں ہیں، بلکہ نکاح، طلاق، وراثت اور ایسے ہی دیگر معاشرتی مسائل میں طریقے اور ضابطے بھی دیئے گئے ہیں۔ حرمت سود، بھوٹے اور سٹے کی ممانعت، تجارت اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں حلال و حرام کی قیود اور عدل اجتماعی کے متوازن اصولوں کو مقرر بھی کیا گیا ہے۔ نظام مملکت کو درست طریقے پر چلانے اور قائم رکھنے کے لیے راعی اور رعایا کے باہمی حقوق، مشاورت کے احکام، عدلیہ کی آزادی اور دوسرے ریاستی امور کے بارے میں ایک بہت ہی جامع خاکہ بھی دے دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ احکامات و قوانین انہی لوگوں پر نافذ ہونے کے لیے ہیں جن کا ایمان اس ظلم کی تبلیغ سے پاک ہو چکا ہو، جس کا نام شرک ہے یا کم از کم بادمی النظر میں جو شرک سے تائب ہو چکے ہوں اور مشرکانہ اشغالی و مراسم کے اندر مبتلا نہ پائے جائیں۔ اسلام کی یہ ساری تعلیمات اپنے مزاج میں اسی فطرۃ کو لیے ہوئے ہیں جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی لوگ ان کو نبھا کر چل سکتے ہیں۔ جو اپنی فطرت کو مسخ نہ کر چکے ہوں۔ یہ شجر کاری صرف ایسی ہی زمین پر ممکن ہے جو مختور زدہ نہ ہو، ورنہ اصولاً فصل آگاتے سے قبل اس کی سمیت کو دور کرنا لازم ہے۔

اس ضرورت کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے طریقہ کار سے ہوتا ہے، جو دینی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بہترین رہنما ہے۔ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں زیادہ تر کوششیں نظریاتی انقلاب برپا کرنے کے لیے تھیں۔ عرب کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات پر اخلاقی اعتبار سے زبردست تنقیدیں تو کی گئیں، لیکن اس کے بالمقابل قانونی و دستوری احکامات نازل نہیں ہوئے، بلکہ ان شعبوں میں بھی سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات

اور اس کے اختیارات کو منوانے، سمجھانے اور ذہن نشین کرانے پر دیا گیا۔ اس کے بعد جب ایسا خطہ زمین — مدینہ — میسر آ گیا جہاں علو و تفوق مسلمانوں کو حاصل تھا اور زمام کار بھی ان اہل ایمان کے ہاتھ میں آگئی، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو زبان ہی سے نہیں، بلکہ دل و جان سے تکوینی و تشربی حاکم، قانون ساز، مقتدر اعلیٰ اور مالک الملک تسلیم کرتے تھے تو پھر معیشت، معاشرت سیاست وغیرہ شعبہ ہائے زندگی کے لیے قانونی اور دستوری نوعیت کے تفصیلی احکامات تدریجاً نازل اور نافذ ہوتے چلے گئے۔ رادھہ کوئی حکم اُترتا اور ادھر کسی اینچ پیچ اور لیت ولعل کے بجائے، آن کی آن میں پورا مسلم معاشرہ اس پر کار بند ہو جاتا تھا۔ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے دو سال بعد نافذ ہوا، زنا، قذف اور لہان کے فوجداری قوانین اور پردے کا حکم شہ میں، پردے کے تفصیلی احکامات شہ کے وسط میں اور نکاح اور طلاق کے ضابطے شہ میں جاری ہوئے اور سود کی حرمت کا قانون شہ میں نازل ہوا، وغیرہ۔ لیکن اسلام کی اعتقادی تعلیمات کا مسئلہ اس سے بڑی حد تک مختلف تھا۔ شرک کی ایک ایک قسم کو چھوڑ دینے اور توحید کی ایک ایک نوعیت کو مان لینے کا مطالبہ اول روز ہی سے تھا۔ اس شعبہ میں تدریجی طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسلام قبول کرتے ہی ایک مسلم کو شرک کی ہر نوعیت سے دستبردار ہو کر توحیدِ خالص کو مکمل صورت میں اپنانا پڑتا تھا۔ حاشا، اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ نفاذِ شریعت کا معاملہ غیر اہم ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، کیونکہ اسلام کو اپنا دین کہنے والوں پر اس دینِ کامل پر پورا اطلاق ہونا بدیہی امر ہے۔ اور اگر اہل کتاب کو لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَ الْإِنْجِيلَ۔ (مائدہ - ۵ - ۶۸) رقم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توراہ اور انجیل کو قائم نہ کرو، کہہ کر طامرت کیا جا سکتا ہے تو اہل اسلام کے لیے بھی اس اصول پر لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا الْقُرْآنَ وَ السُّنَّةَ رقم بھی ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک قرآن و سنت کو قائم نہ کرو، کا حکم لگانا بتی برانصاف

ہے۔ نیز اب نہ کسی نئی شریعت کے تدریجی نزول ہی کا انتظار ہے۔ احکامات جو بھی ہیں قرآن و سنت میں موجود ہیں اور ان کے نفاذ کے لیے اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مامور اور ماخوذ ہیں۔ اور شریعت کا بے کم و کاست اجرا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن مطالبہ اس چیز کا ہے کہ جب اسلامی نظام کار راستہ ہموار کرنے اور عوام و خواص میں اسلام کو عملاً پسندیدہ بنانے کی جستجو کرتے ہوئے اگر جدید ریاستوں کے قوانین اور دساتیر کی خامیاں بتائی جاسکتی ہیں، عصر حاضر کے لحاظ سے افکار پر عروج ہو سکتی ہے اور انسانی ذہن کے ساختہ نظام ملے جاتے جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک کے عیوب کا پردہ چاک کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سب کے مقابلہ میں دینی احکامات کے اقتصادی و تمدنی محاسن اور بینک کاری، تجارت اور عدالت کے اسلامی اصولوں کی خوبیاں اُجاگر کرنے کے لیے سرگرمی بھی دکھائی جاسکتی ہے تو پھر ان مشرکانہ خرافات و اعتقادات کی قلعی کھولنے اور اسلامی عقاید کی حقیقت سمجھانے کے لیے بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی محنت کرنی چاہیے۔ اللہ کے سامنے یا اُس کے سوا کسی اور کو مافوق الاسباب دلی و کار ساز، حاجت روا مشکل کشا اور حامی و ناصر سمجھنا یا وسیلہ اور سفارشی بناتے ہوئے اپنی بگڑی بنانے اور مرادیں پوری کرانے کے لیے پکارنا اور اسی طرح کے دیگر صریح مشرکانہ افعال کا ارتکاب بھی کوئی ذاتی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کو اہل اسلام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہو، بلکہ قرآن و سنت کے محکم ارشادات کے برخلاف ایک روش ہے۔ حق اپنے سامنے باطل کا سا جھانگٹا پر ہرگز تیار نہیں ہے، اور نہ شریعت ان متکرات کے سامنے ہتھیار چیل سکتی ہے۔ آج تو صورت حال یہ ہے کہ اُمت کا جم غفیر توحید کے کسی ایک شعبہ ہی میں، نہیں بلکہ شاید تمام ہی شعبوں میں ابہام کا شکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت صحیحہ اُس کو حاصل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن علاقوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مشرکانہ اور جاہلانہ خرافات کی ہوائیں چل رہی ہوں، جہاں ہر چھوٹے بڑے قصبہ اور شہر میں

وفات یافتہ بزرگوں کی قبریں سجدہ گاہ بنائی جا رہی ہوں، قبروں اور آستانوں پر عقیدت مندوں کا ہجوم سارا دن خشوع و خضوع کے ساتھ طواف کرتا، تبرک اور نذرانے چڑھاتا، نعمتیں اور مرادیں مانگتا اور صاحبِ قبر کی دھائیاں دیتا نظر آئے، جن علاقوں میں بزرگانِ دین کو مشکل کشا، داتا، دستگیر، غوث، گنج بخش وغیرہ وغیرہ سمجھے کہ اپنی حاجت براری کے لیے صبح و شام پکارا جاتا ہو۔ جہاں کی اکثر مسجدوں میں شریکہ علامات اور عقیدہ کی بدعتوں کا علانیہ دور دورہ ہو، جہاں سالانہ کچھ خاص دنوں میں علم، پیچھے، ذوالجناح، تابوت اور شبیہوں کے طول طویل جلوہ کس نکال کر چویا چاٹی ہوتی ہو اور جہاں لاکھوں افراد کسی کے دامن سے وابستگی کا تصور ذہنوں میں جما کر آخرت کی جواب دہی سے بے پروا ہو گئے ہوں اور جہاں ایسے اور اسی نوعیت کے ہزاروں مشرکانہ اعمال و رسومات کے لیے مذہبی استدلال بھی مشرکینِ عرب سے کچھ مختلف نہ کیا جاتا ہو، جہاں ان منکرات کے خلاف کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی ہو بلکہ ان کو اپنا جانی دشمن سمجھا جائے اور جہاں کے اچھے خاصے و بیدار لوگ بھی ان فواحش کو دین کے فروغی اور اخلاقی مسائل کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہوں، وہاں کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ کی عظمت و کبریائی، اس کی جلالت و قدرت اور اس کی شانِ یکتائی و بے نیازی کو اتارا جائے۔ حقیقتِ آخرت، مناظرِ قدرت، جنت کے حسن و انعامات، جہنم کی دل خراش ہولناکیوں اور اللہ کے حضور بندوں کی پیشی اور اعمال کی باز پرس کا احساس دلا کر ان کے قلوب و اذہان میں اسی ایک کے واحد و قہار اور مالکِ یومِ الدین ہونے کا حقیقی تصور بیدار کیا جائے۔ انذار و تبشیر کے موثر طریقوں سے حکمت و موعظہ حسنہ کے لطیف پیرایوں سے، آفاق و انفس کی زندہ شہادتوں سے اور کلامِ الہی کے رقتِ انگیز اور ولولہ افروز خطبات کے ذریعہ شرک اور اس کی تمام اقسام پر مدلل تنقید، ان کی ضلالت و قباحت کا نمایاں اظہار اور

(باقی بر صفحہ ۳۵)